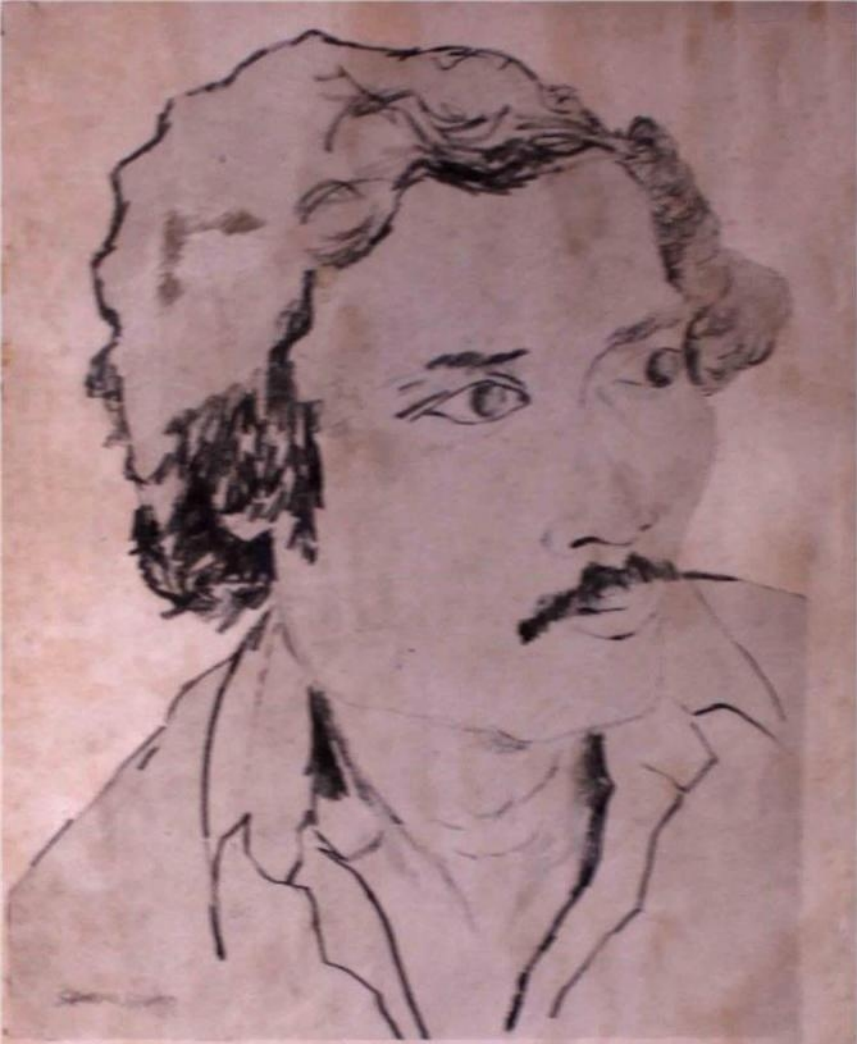

# ہ لا اِنتہا...

مظہر مہدی

# لَا اِنتہا

مظہر مہدی

# والد مرحوم کی یاد میں

وہ ساعت ، وہ گھڑی
کیسی تھی
بے بسی تکتی رہی
بس کے پہیئے گھومتے رہے
ایک حیات رُک گئی
ایک لفظ میری زبان سے
کھو گیا
آپ کی آنکھیں کھُلی تھیں جب
میری آنکھیں بند
آپ کی آنکھیں بند ہوئیں
میری آنکھیں کھل گئیں

# کون کسی کا درد سمیٹے

کون کسی کا درد سمیٹے
کیوں ہو شریک خوشی میں کسی کی
خود اعضائے جسم
جب میرا ساتھ نہ دیں
آنکھ روئے
ہونٹ ہنسیں
دل چاہے تنہائی
ذہن بھیڑ کا متلاشی
پاؤں کے چھالے
ناخن کریدیں
کون کسی کا درد سمیٹے

# ایک خواب

ایک پتھر کی مورت
جس کی گہری کالی رنگت
تیر کا مہینہ
تین بجے
دھوپ کی حدت
جب اپنے لب اس پر رکھ کر
چپ سادھ لوں
سرخ لہو میرا
اُس پر گر کر
دھوپ سے خشک ہو جائے
دونوں کا رنگ
ایک ہو جائے

# آخری منظر سے پہلے ایک منظر

کتنے گناہوں کا وجود
کتنی راتیں
میرے دم سے زندہ ہیں
کتنی آنکھوں کا فسوں
کتنے لب ابھی تشنہ ہیں
کہنے دو مجھے
اور کچھ کہنے دو
مجھے بند نہ کرو
اُس سیاہ رات کے تابوت میں
جس کی سیاہی روشنائی بن نہیں سکتی ■■

# ایک نظم

میں اپنا سایا
ساتھ لیے
دنیا گھومتا ہوں
لیکن
بیڈ روم میں جاتے ہی
پہلے اس کا قتل کرتا ہوں
پھر سکون سے سوتا ہوں

# پیچھے کا آدمی

کون ہے وہ پیچھے کا آدمی
جو میری آنتوں میں تیزاب بھر گیا
میرا لہو جس کے لیے منجمد ہوا
آڑی، ترچھی لکیروں میں جی۔ رہا تھا میں
وہ میرے ایک ایک پل کا حساب
کھینچ لے گیا

وہ کیا چیز تھی جو وہ ساتھ لے گیا
مجھے اپنے اندر بھی اترنے کا حوصلہ نہ تھا
وہ میرے بھیتر ہی
خود کو سموتا گیا
گہرائیوں کی گہرائی تک
کون ہے وہ پیچھے کا آدمی

# تم میرے پاس سے

تم میرے پاس سے یوں نہ گزرو
مثلِ ہوا
ابھی تو میں نے
تمھارے ہونٹوں کا ذائقہ بھی چکھا نہیں
تم میرے لہجے سے
آشنا بھی نہیں
تم میرے پاس سے

... ... ...

تمھارے چہرے پر ابھی

دن کی دھوپ ہے
تمہیں تو ابھی
رات کی طرح
پُراسرار ہونا ہے
تمہاری سانسوں کو میرے جسم میں
تحلیل ہونا ہے
تم میرے پاس سے یوں نہ گزرو
مثلِ ہوا

# ترکہ

آنے والی نسلوں کے لیے
ہم چھوڑ جاتے ہیں
ناکامیاں، مایوسیاں
خوشیاں
اور وہ اَن دیکھی خواہشیں
جن سے گزرنے کی آرزو میں
ہم گزر گئے

■■

# سلف پوٹریٹ

(۱)

میری پیشانی ممتا سے بھری ہے
میری آنکھیں صحرا ہیں
میرے ہونٹ جنم جنم کے پیاسے
میرا دل بھی خالی ہے
میرے ہاتھ گندے
پاؤں میرے آوارہ

سینہ۔ایک دنیا ہے جس میں
ہزاروں خواہشیں جنم پاتیں اور
مر بھی جاتی ہیں
میری روح مجھ سے لڑتی رہتی ہے
مجھ سے الگ دور ہی بستی ہے
پھر بھی "میں" وہ نہیں ہوں
جس کا ذکر میں نے کیا ہے

# سلف پوٹریٹ

## (۲)

اِس دھرتی کے ایک آنگن میں
اک ایسا بھی پھُول کِھلا ہے
جس کی خوشبو صرف پتیوں تک
محدود رہی
جس کے چہرے پہ ہزاروں کرب ہیں
پھر بھی ہنستا رہتا ہے
وہ ایک ایسی دنیا میں بَستا ہے
جس میں اُس کی اَنا ہی نے
اُس کو مار ڈالا ہے
یہ چہرہ میرا نہیں
پھر بھی میرا اپنا ہے

# ایک مکالمہ

"تو یوں کیوں نہیں کہتے
اشاروں میں گفتگو
معراجِ گفتگو ہے"
"چلو یوں ہی کہہ لیں"
"ہم نے اِس دھرتی کو
قطرہ قطرہ بانٹ لیا ہے"
"اب کچھ بھی نہیں"
"کیا اب کچھ بھی نہیں؟؟"

# فروری کے نام

کل تک جو اُنگلی تھامے
چلتی تھی
آج بڑی مست نظروں سے
سب کو گھورتی ہے
سارے درختوں کو
برہنہ کرتی
ان کی بانہوں میں
سر اپنا رکھ کر

دوپہر ہوتے ہی
سو جاتی ہے
راتوں میں
بڑی دیر تک
آوارہ پھرتی
جاگتی رہتی ہے

# مئی : ایک نظم

آہنی مزدور
اپنے جسم کے
مرطوب آبگینوں میں
رقصاں
کشاں کشاں چلتا ہے
منحنی لوگوں کو تھکا ہارا چھوڑ کر
جو دن سے چھُپ کر
راتوں میں پناہ مانگتے ہیں

# ہم لوگ

برہنہ سورج
اپنے نکیلے دانت
پیٹھ میں گاڑھتا رہا
اور ہم دھیرے دھیرے دھنس رہے زمین میں
ہڈیوں کے سائبان اوڑھ کر
نہ آنے والی ساعتوں کے منتظر
نہ ڈوبتے لمحوں کے پاسبان!

# بخار میں ایک نظم

برسوں کی مسافت
ہمیں کیا یاد نہیں؟
ریت پہ چلے
کبھی جوتوں سے عاری
اور ایک چادر میں ملبوس
تم بن جیسے صدیوں تک
اور تمہارے بعد بھی
اب پھر کیوں ہم
ہادی کی تلاش میں سرگرداں ہیں

جُملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ

اشاعت : ۱۹۸۲ء
تعداد : ایک ہزار
قیمت : دس روپے
معاونت : اردو اکیڈمی۔ آندھرا پردیش حیدرآباد

پوٹریٹ : شمشاد حُسین
خوش نویس : محمود سلیم
ناشر : حیدرآباد لٹریری فورم
"حلف"

طباعت : دائرہ الکٹرک پریس چھتّہ بازار
حیدرآباد ۳۶۔

ملنے کے پتے

- شب خون کتاب گھر ۳۱۳ رانی منڈی الٰہ آباد ۳
- بک ڈپو۔ اُردو اکیڈمی لے سی گارڈنز۔ حیدرآباد
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بمبئی۔ دہلی۔ علی گڑھ
- الیاس ٹریڈرس۔ شاہ علی بنڈہ۔ حیدرآباد
- مصنّف : مکان نمبر 16-8-280 بنجر گوڑہ حیدرآباد

کیا ہم واقعی بہرے ہیں
جو سُنتے نہیں صدا بھی
اَجداد کی میراث اٹھائے
ایوانوں میں تلوار سجائے
فخر سے سینہ تانے!

# مشاہدہ

میری ماں کہتی ہے ——
مجھ کو پیدا ہوئے پچیس برس بیت چکے ہیں
لیکن جب سے ہوش سنبھالا
صرف اتنا دیکھا
دھرتی، بانجھ
رات، کھنڈر
دن، تپتا ریگستان
ہیں، ایک پرسکون سمندر
جس پر کسی نے

پتھر بھی نہ پھینکا
جب بھی ڈھونڈی
راہ نئی
بسوں نے آنکھوں میں دھول جھونکی
دنیا کا ہجوم ہنستا ہے
آنکھیں بے بس
راستے معدوم

۸۸

# راست گوئی

اور وہ سب، تمنّا کے ہم رکاب جُملے
ایڑی سے چپک کر رہ گئے
پتھر کا عذاب ناتواں جسموں نے چکھّا
سمندر کا ذائقہ
تشنہ لبی میں مزہ
خودی کے محافظ
جن کے کارہائے نمایاں عبادت تھے کبھی
اب سرد آفتاب!
صورتیں ہیبت ناک

گورنیکا کی علامت

(پھر بھی بلب روشن ہے)

بصری صداقت

نثری زندگی

اقلیدسی زاویئے، خطوط، دائرے

چہرے کے زندہ اصول!

(گورنیکا: پکاسو کی مشہور پینٹنگ)

# جنم دن

میں اور میری حیات
یوں تو دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں
پھر بھی ہم کلام نہیں ہوتے
جیسے ایک دوسرے سے ناآشنا
یا پھر دونوں کی زبانیں جُدا جُدا
حالات کی کشتی میں ڈولتے جاتے ہیں
انجام سے بے خبر، خطرات سے بے خطر
آبلہ جس کے پھوٹنے کا انتظار
ایک خار ـــــ ایک کلی کا محتاج

سال کے بارہ مہینے، ہفتے کے سات دن
صبح ــــ شام اِن میں پھنسا ہوا، مَیں
یہی ابتدا ــــــ یہی انتہا
بس سانس کا بھٹہ چلتا ہے
دن لوہے کی مانند پگھلتا ہے
اور میں بھی
لاوا بن کر ایک ــــ دن
ان سال کے بارہ مہینوں
ہفتے کے سات دنوں میں کبھی
بہہ جاؤں گا

# زوال کے لمحوں میں

ہاں لوگو
سُنو، ہم زوال کے لمحوں میں
جی رہے ہیں
خدا نے اپنے سب
اوتار چھین لیے
اور ہمارے حوالے
ابلیس کر دیا گیا
شب اوڑھ کر
سڑک کے پہلو میں
فٹ پاتھ سو گیا
ہاں لوگو

پڑھو وہ کتابیں
اور خدا کی تلاش میں نکلو
یاد ہے نا ! رام کا بن باس
لیکن زوال کے لمحوں میں
ہر ماں کیکئی ہے
اور تمام عمر
بن باس،
ہاں لوگو !

# ایک منظر

شیشے ٹوٹے بحثوں میں
حشیش پگھلے جسموں میں
انجانے خوف بائیں پسلی سے در آتے ہیں
بے مرگ خواہشیں
جیبوں میں پڑی ہیں
اور کرسیاں بڑے انہماک سے
جدید فلسفوں میں گم
اپنے وجود کو تسلیم کرواتی ہیں

امّی : محترمہ زبیدہ ابراہیم
بابا : محترم سید ابراہیم (مرحوم)
اور
ماموں جان :
محترم پروفیسر عالم خوندمیری

کی
نذر

# قیامت کے انتظار میں

شب کے پاؤں دکھنے لگے
دِن کی سانسیں پھولتی گئیں
کثافتوں کے مایا جال میں
لطیف ہوا کے پَر جل گئے
طیف
سفید ہوگئی
مسافت طے نہ ہوسکی
مفاہمت بھی دُور کھڑی
کھانستی رہی

# ایک نظم

ہم کھڑے ہو سکتے نہیں
بے سہارا ــــ
ہمارے دِلوں میں یہ کون
ڈر جاگزیں ہو گیا
درد سہنے کا یارا نہیں
یہ ستون کیا ضروری ہیں
اُس کے ہونے یا نہ ہونے کا تصور
اِن حصاروں میں ہم
کتنے اُلجھ گئے ہیں

کہیں سے تو ڈور ٹوٹے
وہ سرا مل جائے
تو ہم بھی اپنے آپ کو
برتر سمجھیں
اُن کی طرح
جو دلوں میں
خوف کا شہر بسا کر
برتر ہو گئے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

# سوچ کے دائرے

سوچ کے دائروں میں اسیر
خود لذتی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے
خود فریبی
یہی سوچتے رہے
جسم و جاں کے رشتے
صرف رات تک محدود
خواہ تمہارے جسم میں

چاند ڈوبے
یا سورج اُبھرے
سوچ کی گرمی سے
تیز ہوا کی رَو میں
سستی سگریٹ بجھنے لگی
سوچ کے دائرے
تنگ ہوتے گئے
تنگ
اور تنگ ہوتے گئے

# انحراف

وقت کی پیشانی پر انحراف لکھ دو
وقت کچھ بھی نہیں
ایک فریب ہے
جس کے ہم تم تابع نہیں
پھر بھی تابع ہیں
چلو آج سے یہ وقت ہمارا بھی نہیں
تمہارا بھی نہیں
وقت کی پیشانی پر انحراف لکھ دو
لیکن
وہ زنجیر کیا کریں
جس سے وقت کا
ایک ایک لمحہ طوق بنا

چلو اُسی طوق سے زنجیر بجاتے ہیں
کہ کوئی
سُن لے اپنی صدا
میں نے پڑھی نہیں وہ حکایت
جس کا ایک باب تم نے پڑھا شاید
میں نہیں چاہتا کہ وہ در بند ہو جائے
جس سے ستر در کھلتے ہیں
وقت کی پیشانی پر
انحراف لکھ دو

# یہ زمین دلدل ہے

ہاتھ پاؤں کی جد و جہد
جتنی بڑھی
اور دھنستے گئے
اور دھنستے گئے
اپاہج
اپاہج سے مدد کیونکر مانگتے؟
اپنی سی کیے جاتے ہیں

خواہشوں کی خواہش
بسترِ مرگ کی رات
کیلنڈر کے اوراق
ہم
دیاسلائی کی آگ
سُرخ سُرخ سچائیاں
خون تھوکتی رہیں
نئی کونپلیں
زمستان کی پتّاں
گھورتی رہیں!

# تفصیلات


| | |
|---|---|
| تعارف از علی ظہیر | ۷ |
| والد مرحوم کی یاد میں | ۱۱ |
| سلف پورٹریٹ (۱) | ۱۲ |
| سلف پورٹریٹ (۲) | ۱۴ |
| ایک مکالمہ | ۱۵ |
| فروری کے نام | ۱۶ |
| مئی : ایک نظم | ۱۸ |
| ہم لوگ | ۱۹ |
| بخار میں ایک نظم | ۲۰ |
| مشاہدہ | ۲۲ |
| راست گوئی | ۲۴ |
| جنم دن | ۲۶ |
| زوال کے لمحوں میں | ۲۸ |
| ایک منظر | ۳۰ |
| قیامت کے انتظار میں | ۳۱ |
| ایک نظم | ۳۲ |
| سوچ کے دائرے | ۳۴ |
| انحراف | ۳۶ |
| یہ زمین دلدل ہے | ۳۸ |
| ہر وقت لاش نئی | ۴۰ |
| پی کا در بند ہونے پر | ۴۲ |
| درختوں کی سرگوشیاں | ۴۳ |
| پُرسہ | ۴۴ |
| کیوں یہ نسل اتنی اُداس ہے | ۴۶ |
| آخری خواہش | ۴۸ |
| آوازوں کا کارواں | ۵۰ |
| تیرا نام | ۵۲ |
| نیند میں ایک نظم | ۵۳ |
| ایک نظم | ۵۴ |
| ایک بہکی ہوئی نظم | ۵۶ |

# ہر وقت لاش نئی

کار، بسیں
پیدل، سیکل، ریل
کچھ آگے
کچھ پیچھے
کتنی سواریوں میں
تقسیم ہوا ہجوم

چار سمت
"ہجوم"

اور ہر سمت
ایک لاش
وقت کے جنازے میں
"سب"۔
ایک دوسرے کے لیے
حرفِ ناآشنا
پھر بھی شریکِ ماتم

# پی کا ور بند ہونے پر

کل کا واقعہ
واقعی سانحہ تھا
آج کہنے دو مجھے
شاید میری زبان
کل بند ہو جائے
وہ میرا ہمدرد تھا
صرف درد بن کر رہ گیا
ذہنی تحفظ
لفظی کوہ کنی میں
اُنگلیاں لہو کو ترس نہ جائیں
بس اسی اندیشے میں
محو ہوں

■■

# درختوں کی سرگوشیاں

درختوں کی سرگوشیاں
جب سنیں
تو یہ ہم نے جانا
ہوا کی صدائیں
درختوں کا ہنسنا
اشاروں میں سمجھانے کی کوششیں
رائیگاں
درختوں کی سرگوشیاں !
ہم نے جانا ؟

# پُرسہ

کیوں تری آنکھوں میں
غم کے سارے رنگ اُتر گئے
کیوں یہ آنکھیں
سفید کینوس ہو گئیں
سُرخ، سبز ـــــ رنگ
جو تری ذات تھے
کیوں سیاہ ہو گئے

کبھی یہ آنکھیں
کسی کے لیے شاہ کار تھیں
اب جھٹ پٹے ہیں
ٹمٹماتے دیوؤں کی مانند
کیوں تھرتھرا رہی ہیں
کون تھا
جو تجھے
زندگی کی ایزل پر
چھوڑ کر
چلا گیا

# کیوں یہ نسل اتنی اُداس ہے

سستی شراب، گانجہ، چرس،
افیون کے رسیلے
پیوند لگے کپڑے
بوسیدہ بدن یوں ڈھانکتے ہیں
جیسے یہ بدن نہیں گندگی ہے
مایوس، اداس، خاموش، چہرے

بال بکھرے ہوئے، گال پچکے ہوئے
یوں کہ گھر ان کے میت ہوئی
اُداسیاں ان کی داسیاں ٹھیریں
موت کے آرزومند نہ حیات سے خوش
انجام سے بے خبر بہتا ہوا تنکا
خود سے شرمسار
کیوں یہ نسل اتنی اُداس؟

# آخری خواہش

کب تک تم اپنی آگ میں جلتے رہو گے
کب تک سونا چراغ جلتا رہے
کبھی تمہارے آنگن میں بھی کوئی اُترے
لہو کے چراغ جلائے ہوئے
تمہارے سایوں سے بھی پیار کرے
تم پورے چاند کے ساتھ گاؤ

گھُپ اندھیرے میں بھی ناچو
یہ تمنّا بھی پوری ہو
اور میں یہ منظر
راکھ کے ڈھیر سے
اور بھی
پاتال سے دیکھوں

| | |
|---|---|
| ایک نظم | ۵۸ |
| ایک نظم | ۵۹ |
| آنکھوں کے جنگل میں | ۶۰ |
| خود کلامی | ۶۱ |
| یاد | ۶۲ |
| ایک سانس کی نظمیں | ۶۵ تا ۷۷ |
| بنام خدا تین نظمیں (۱) | ۷۸ |
| میں یہاں گواہ کی حیثیت سے ہوں (۲) | ۷۹ |
| مشترک المبیہ (۳) | ۸۰ |
| وہ ایک منشور ہے | ۸۲ |
| فساد | ۸۳ |
| سبھی چل رہے تھے | ۸۴ |
| اریب | ۸۶ |
| فن کار | ۸۷ |
| خودکار جنازہ | ۸۸ |
| ایک نظم | ۹۰ |
| سراب | ۹۱ |
| ایک نظم دوست کے لیے | ۹۲ |
| فلسطینیوں کے نام | ۹۴ |
| عدسوں کی روشنی میں | ۹۶ |
| انتظار | ۹۸ |
| بیتے موسم کی آواز | ۹۹ |
| کون کسی کا درد سمیٹے | ۱۰۰ |
| ایک خواب | ۱۰۱ |
| آخری منظر سے پہلے ایک منظر | ۱۰۲ |
| ایک نظم | ۱۰۳ |
| پیچھے کا آدمی | ۱۰۴ |
| تم میرے پاس سے | ۱۰۶ |
| ترکہ | ۱۰۸ |

# آوازوں کا کارواں

آئی آواز
دُور سے
تھکے قدموں سے
میں واپس جانے کے
قابل نہ تھا

وہ تیزاب
جو میں پہلے بہت پی چکا تھا
امرت بن گیا
آوازوں کا
کارواں
چھوٹ گیا

# تیرا نام

میں نے اکثر
تیرا نام
موم سے لکھا
آئینہ پر
(شاید کہ تو موم بن جائے)
لیکن اب میں تیرا نام
صرف چٹانوں پر لکھوں گا

# نیند میں ایک نظم

وہ
جو آئینوں کے متوازی
چلتے تھے کبھی
گرد کی تہیں ہٹا کر دیکھو
اُن کے چہرے
مسخ
استخواں پر
کائی
جیسے کوئی نیند میں بڑبڑائے
"چاند"
"گرد"
"آئینہ"
"چہرہ"
"پارہ پارہ!"

# ایک نظم

کتنے دریچوں سے
چھَن چھَن کے آتی ہے
دھوپ
تمہارے چہرے پر
گویا پھولوں سے
گوندھا گیا ہو خمیر
کتنی شاموں کا عروج
تمہارے بدن میں ہے

شعلے سے لپکتے رہے
آنچ سی اٹھتی رہی
دھیرے دھیرے پگھلتے رہے
ہزاروں بدن
جو تمہاری دید کی گرفت میں چلے آئے
کتنے شہابوں کا غرور اُتر گیا
کتنے خیالوں کو بہکا لے گئی ہوا

# ایک بہکی نظم

گناہ کی رات
راتوں تک پھیلائے بال
جسم سانپیں
رگوں میں دوڑتا سیال مادّہ
ہر طرف چپ کی مُہر
سب آنکھ سے پی جاؤں
ہزاروں سال کے فاصلے
اب بال برابر بھی نہیں رہے
بال برابر فاصلے

صدیوں کے فاصلے
گناہ کو موت
رات کے بعد آئی
زندگی بے کراں
سمٹے تو شہر
جب پھیلے دُنیا ــــ

# ایک نظم

زندگی کے آنچل کو
ڈھانک دو موت پر
وہ کیسے چہرے تھے
جن کے لیے
ہم ہی نہیں
رات بھی
رہ رہ کے روتی رہی
عُمر بھر

■■

# ایک نظم

میں تم سے ملنے آیا ہوں
یہ نہیں بتلاؤں گا
کس راستے سے ہو کر آیا ہوں
میرے نقشِ پا بھی تم پا نہ سکو گی
دُنیا کا ہجوم تباہ کر چکا ہو گا
ہجوم دُنیا کا
مشینوں کی گڑگڑاہٹ
ایک دن یہ سینۂ گیتی شق ہو جائے گا
پھر تم!
کس راستے سے ہو کر
مجھ سے ملنے آؤ گی؟؟

شعر کے لیے پابندی اور نثر کے لیے آزادی۔ شعر کو زبان اور عروض کے قاعدوں کا زیادہ سختی سے پابند ہونا چاہیئے اور نثر کو عروض کا تو بالکل نہیں البتہ قواعد کا کسی حد تک لحاظ ضروری ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے۔ کیونکہ نثر چاہے کسی قسم کی کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی اسکیم کی پابند ہوتی ہے جبکہ تخلیقی شعر بے ساختہ عالمِ وجود میں آتا ہے۔ اس بے ساختگی کے لیے عروض و قواعد کی بندشیں بہت گراں ثابت ہو سکتی ہیں۔ بقول پال والری؛ شعر اور نثر کا فرق "رقص" اور "چلنے" کے عمل جیسا ہے۔ جس طرح شعر و نثر کا ذریعۂ اظہار الفاظ ہیں، اسی طرح رقص اور پیدل چلنے کا ذریعۂ اظہار انسانی جسم کی حرکت ہے۔ رقص کی کیفیت یہ ہے کہ بار بار اسے دیکھنے کے باوجود پھر بھی دیکھا جا سکتا ہے جبکہ پیدل چلنا ایک منزل سے دوسری منزل تک پہونچنے کے لیے ہوتا ہے۔ جب مقصد پورا ہو جائے تو پھر پیدل چلنے کے عمل میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی۔ ناول اور کہانی کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے ایک بار آپ اسے پڑھ لیں تو پھر دوسری مرتبہ پڑھنے میں کوئی خاص مزہ باقی نہیں رہتا۔ جبکہ شعر بار بار پڑھا جا سکتا ہے۔ ہم شعر کی تعریف اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ شعر ایسے الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو بار بار پڑھا جا سکتا ہے۔ جبکہ نثر ایسی چیز کا نام ہے جسے ایک یا دو مرتبہ سے زیادہ پڑھنے میں کوئی لطف باقی نہ رہے۔

# آنکھوں کے جنگل میں

آنکھوں کے جنگل میں
تم نے
نہ میری صورت ہی پہچانی
نہ آواز
نہ لہجہ
کس سے گِلہ !

# خود کلامی

رشتوں کا پُل ٹوٹ چکا ہے
زندگی سے بے زاری
واحد علاج
زندگی سے فرار
یہ بھی بُزدلی
تو کیوں نہ ہم
یوں ہی جی لیں

# یاد

برسوں پرانی خاک میں ہم
اپنی میراث ڈھونڈ رہے ہیں
وہ بُت جن کو ٹوٹے
صدیاں بیت چکی ہیں
جانے کیوں
اب بھی
پوجے جاتے ہیں

# ایک سانس کی نظمیں

○

خدا نے میری
کُل آرزوؤں تمناؤں کو
مقسوم سے تقسیم کر کے
خارجِ قسمت لکھ دیا

○

اچھا ہوا تم نہ ملے
اگر مِل جاتے
(زندگی مکمل ہو جاتی)
میں مر جاتا

○

ماضی سے
میرا رشتہ
داشتہ جیسا ہے

میں نے دیکھی ہیں
کچھ ایسی شامیں
جن کی سحر نہ تھی

○

عذاب کا
نجات کا
دوسرا نام
خدا ہے

کتنے ٹوٹے ہوئے
اقدار کے تم پاسبان ہو
یہ وہ کشتی ہے
جو پار اُترتی بھی نہیں
ڈوبتی بھی نہیں

میرے خیال میں اہمیت نہ تو آہنگ اور وزن کی ہے اور نہ بے وزن اور ٹوٹی ہوئی زبان کی۔ اہمیت دراصل فن کار کے "اعلان" کی ہے۔ اگر وہ اپنے الفاظ کو شعر کہہ کر پیش کرتا ہے تو پھر وہ شعر ہی ہیں۔ اس طرح نثری شاعری یا محض شاعری کی اصطلاحیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ شاعری، شاعری ہی ہوتی نثری یا غیر نثری نہیں۔

منظر مہدی کی شاعری کا اعلان "لا انتہا" ہے۔ اوپر کی مختصر سی تمہید کے بعد اب میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ یہ شاعری کی کتاب کن کن وجوہات کی بنا پر ہے کیونکہ میں یہاں منظر مہدی کے CASE کو DEFEND نہیں کر رہا ہوں بلکہ منظر مہدی کی شاعری کے بارے میں چند ایک باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

منظر مہدی ٹوٹی ہوئی زبان کا شاعر ہے۔ منظر مہدی ٹوٹے ہوئے معاشرے کا شاعر ہے۔ منظر مہدی ٹوٹے ہوئے ماحول کا شاعر ہے۔ اُس نے شاید زندگی میں، مایوسی، مکر درا پن، جھوٹ اور کمینگی کے کچھ اور دیکھا ہی نہیں۔ شاید ۱۹۷۰ء کے بعد، ادبی ہوش سنبھالنے والے بہت سے شاعروں نے سوائے ان باتوں کے اور کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔ یہاں نہ صرف سیاسی بد دیانتی عام ہے بلکہ جو فن کاروں اور ادیبوں، شاعروں کے نجات کی دنیا ہے یعنی ادبی ماحول اس میں اُس ملک میں بدنصیبی سے سیاست سے زیادہ گندگی ملتی ہے۔ یہاں ساہتیہ اکیڈمی کے انعاموں سے لے کر چھوٹے چھوٹے مقامی مشاعروں میں تک بد دیانتی کا ایک سلسلہ ہے۔ اس مجروح کن ماحول میں منظر مہدی جیسا حساس، ذہن سوائے ٹوٹی ہوئی زبان کے اور کیا استعمال کر سکتا تھا۔ میرے خیال میں ہمارے نوجوان غزل گو شعراء یا تو خود کسی غلط فہمی کا شکار ہیں یا وہ دوسروں کو ایک غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ مشہور تھا کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو ہو جاتا ہے آج کے دور میں اگر یہ کہا جائے کہ بگڑا شاعر غزل گو بن جاتا ہے تو شاید غیر مناسب بات نہ ہوگی۔ کیونکہ نظم کو تخلیقی سطح پر بہت دیر تک برتے رہنا صرف اور صرف اس بات کی طرف نشان دہی کرتا ہے کہ شاعر تخلیقی اظہار پر مجبور ہے جبکہ آج کل مسلسل غزل کہنا شاید اس کے برعکس ہو۔ یہاں میں قطعاً غزل کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں نہ ہی تمام غزل گو شعرا کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بلکہ صرف اس بات کے

○

ایک عرصہ سے
زمین و آسمان
ملنے کے لیے
بے تاب ہیں

○

مویشیوں کی گھاس
چر گئے
گاؤں کے گاؤں

○

تاریکی کے بدن پر
ایک دھبّہ
روشنی ہے

کبھی
دن کو تسخیر کیا
کبھی
دن نے مجھے

○

زندگی کی پیٹھ پر
موت
لکھا ہوا ہے

○

تیری دید کی
چاہت میں
کچھ ایسے اندھے ہو گئے
سارا بدن
آنکھ بن گیا

○

کچھ ایسی تنگ و تاریک سُرنگ سے
گزر رہا تھا میں
زندگی یاد آگئی

# بنامِ خدا تین نظمیں

(۱)

شاید میرا خدا
ایک کھلونے کے مانند
شوکیس میں رکھا ہوا ہے
طفلانِ معصوم کے بہلانے کو
وہ اگر ضد کریں
تو ہاتھ سے گر جائے
اور بکھر جائیں
کرچیاں
جو سمٹیں بھی تو
کھلونا نہیں بن پاتیں

(۲)

# میں یہاں گواہ کی حیثیت سے ہوں

میں یہاں گواہ کی حیثیت سے ہوں
سب کچھ کہوں گا
قتل کا وہ سارا منظر
جو میری آنکھوں میں پنہاں ہے

اور وہ بوڑھا جج
ایک کرسی پہ دراز
مجھ کو زبان دے کر
خود خاموش ہے

(۳)

# مشترک المیہ

متناسب آوازیں
بدلتے پیراہن
سارے چہرے
ہُو، کا عالم
ساری بستی
صحرا جیسی
ہم سب
خدا کو پکاریں
لیکن کون سے ؟
ہر زباں اپنا خدا رکھتی ہے

اظہار کی کوشش کر رہا ہوں کہ غزل کا جادو زیادہ تر اُس کے فارم کا جادو ہے اور ہر فارم کی ایک مدت ہوتی ہے۔ اگر اس فارم کی بھی مدت ہو چکی ہو تو پھر یہ جادو بھی اُتر سکتا ہے — بقول عتیق اللہ کے "جدید غزل جس قدر فارسی زدہ بے روح اور مجرد ہوتی جا رہی ہے۔ جدید نظم اسی قدر کنکریٹ، ٹھوس اور نجی شناخت کی سمت رجوع ہے۔ خصوصاً نثری نظم کے استعمال نے ابہام، ابہال اور ترسیل کے مسائل ہی کا قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے۔ نثری نظم میں شعری SYNTAX اور زبان کی شعریت کو اُجاگر کر لینا کا یہ دلدر ہے۔

مظہر مہدی کی شاعری صاف، واضح، سیدھا حملہ کرنے والی ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پہ مہدی ایک غصیلا نوجوان ہے۔ مظہر مہدی کا غصہ، خود ترحمی یا اپنے کئے پر پچھتانے کی شکل میں تحلیل نہیں ہوتا بلکہ تخلیقی الفاظ میں ڈھلتا ہے۔ اس کی نظمیں، انحراف، راست گوئی، ایک خواب، بخار میں ایک نظم، عدسوں کی روشنی میں، ایسے تخلیقی رویہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جو شاعر کے انتہائی غم و غصہ کو پیے ہوئے ہے۔ اس کے غم و غصہ کو صرف "مستقبل" ہی ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ اسی لیے مستقبل کا راست یا بالواسطہ اظہار ہمیں بار بار مظہر کی نظموں میں ملتا ہے جیسے "بخار میں ایک نظم" اس نظم کا عنوان ہی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ مستقبل ہی نجات ہے کیونکہ بخار کے بعد یا تو صحت ہے یا پھر موت۔ دونوں صورتوں میں بخار سے نجات ہے لیکن صحت کا یقین ہو تو پھر شاید بخار میں نظم کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ تو اُس وقت ہوتی ہے جب کہ جسم کے فنا کا خوف ہو۔ ایسی صورت میں سوائے روحانی مستقبل کے اور کوئی شئے تسکین کا ذریعہ نہیں بن سکتی ورنہ پھر جسم، جسم انسانی کے بجائے آسیب زدہ کھنڈر ہو جائے گا۔

میرا خیال تھا کہ شاعر کا رویہ منفی ہو سکتا ہے لیکن اس کا اظہار منفی نہیں ہو سکتا۔ میرے اس خیال کی تصدیق مظہر مہدی نے کر دی۔ مہدی اپنے بعض تجریدی نحوں میں صرف اور صرف منفی رویہ کا حامل شاعر محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً اس کی "ایک سانس کی نظمیں"۔ ان بظاہر چھوٹی نظموں کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ "رات، تاریکی، عذاب وغیرہ کے زندگی میں اب اور کچھ باقی نہیں رہا۔

ایک مشترک المیہ
ایک لامتناہی ڈراما
جس کے کردار

میں

تم

اور

وہ

# وہ ایک منشور ہے

وہ ایک منشور ہے
اُسی سے عبارت ہیں
سات رنگ
ہر رنگ میں ہے اثبات اُس کا
کون سا رنگ
تم ٹھکراؤ گے؟

# فساد

آنکھوں نے
ہونٹوں سے
پیار کا امرت پیا
لیکن!
دلوں میں
سازش ہوئی
انگلیوں میں فساد ہوا
سارا جسم
لاشوں کا انبار ہوا

# سبھی چل رہے تھے

سبھی چل رہے تھے
کوئی سامنے اور کوئی پیچھے
کوئی ساتھ ساتھ
سبھی چل رہے تھے
کوئی یہ طے کر کے چل رہا تھا کہ کہاں جانا ہے
کوئی یوں ہی ساتھ ہو لیا تھا
کوئی کسی کو ڈھونڈنے نکلا تھا

سبھی چل رہے تھے
شمع کی طرح
مومی وجود
روشن رکھے ہوئے
کوئی کہاں چھوٹا، کوئی کہاں رہ گیا
کس کو کیا ملا
کسی کو خبر نہ تھی
سبھی چل رہے تھے
اُس گہری خندق کی اور
جس میں سب کی آتمائیں
صدیوں سے پڑی سوکھ رہی ہیں

# اریب

وہ ایک آواز
جس کی صداقت
دن کی مانند
جس کا صلہ
گلے کی خراش
سچ کی کڑوی خوشبو
لیکن اب پیتھیڈن ہے
سُنا ہے اُس نے
جھوٹ کے مُنہ پر تھوک دیا ہے
اور اب
سچ کی طرح خاموش ہے ■■

# فن کار

میں ایک ادنیٰ پتھر
ترے ہاتھوں
بن گیا میرا مقدّر
میں اب بھی ہوں
وہی سنگ
تو نے بنایا
مجھ کو رام
اب ہوتی ہے پوجا میری
گر تو نے بنایا ہوتا راون
کون مجھ سے
رحم کی بھیک مانگتا ؟
پوجا میری نہیں
تیرے ہاتھوں کی ہے

# خود کار جنازہ

میں اپنے جنازے میں
خود بھی شریک تھا
لوگ آئے
جوق در جوق
لوگ آئے
سجے سجائے
لوگ آئے
خود کو منوانے
صرف یہ بتلانے
کہ وہ ابھی زندہ ہیں

بکین بھی تھا ــــــ
خوشی بھی تھی ــــــ
میں جب بھی تنہا تھا
اب بھی تنہا ہوں
لاتعلقی کی صورت

■■

# ایک نظم

جلتے ہوئے لمحے
جُھلستی ہوئی ساعتیں
ملبے سے نکلیں
نذر کر چکا
وہ میرا
آخری سرمایہ

تاریکی کے بدن پر
ایک دھبّہ
روشنی ہے
یا
رات کے من میں
بس کر دیکھا
وہاں بھی رات تھی

لیکن یہی مہدی "دوسرا پوٹریٹ" میں کہتا ہے

اس دھرتی کے ایک آنگن میں
ایک ایسا بھی پھول کھلا ہے
جس کی خوشبو صرف پتیوں تک
محدود رہی
جس کے چہرے پر ہزاروں کرب ہیں
پھر بھی ہنستا رہتا ہے
وہ ایک ایسی دنیا میں بستا ہے
جس میں اس کی اَنا ہی نے
اس کو مار ڈالا ہے
وہ چہرہ میرا نہیں
پھر بھی میرا اپنا ہے ۔

ہمیں اپنی نئی شاعری کو چاہے اچھی لگے یا بُری، قبول کرنا ہے۔ کیونکہ یہی وہ اظہار ہے جو سچا ہے۔ سیدھا ہے اور اسی لیے پیارا ہے۔

علی ظہیر

مئی ۱۹۸۲ء، حیدرآباد

# سراب

ایک شخص
ہاتھ میں آئینہ لیے
دھوپ پیتا
روشنی کی طرف
بُلاتا ہے مجھے

اور میں کاذب شکلوں کو تاکتا
کاغذی کشتیاں لیے
پانیوں کی زمین ڈھونڈتا ہوں ■■

# ایک نظم دوست کے لیے

میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں
میں جو ایک اندھے کھڈ میں پڑا
دُور کی کرنوں ہی کو
روشنی سمجھ بیٹھا تھا
اس دھرتی کے
کسی راز سے واقف نہ تھا
بس وہ ایک لمحہ
میں نے خود کو دنیا کی حقیقتوں میں پایا

اَندھے کھڈ کی چار دیواری سے
نکلتے ہی
مرغی کے بچوں کی مانند چُوں چُوں کرتا
فاتح بن کر
جب اس دھرتی پر پاؤں رکھا
دھرتی میری تخلیق تھی
بہت مسرور ہو کر دیکھا
عرفان کا نشہ
ایمان کی طرح مضبوط ہوتا گیا
تمہارا شکریہ!

# فلسطینیوں کے نام

ہم آنکھ تھے
ایک دوسرے کی
پہچان تھے
دشت تھے
حق تھے
ایک آواز تھے

ہم پر ہی عذاب ٹوٹا
شہابِ ثاقب کی طرح
ہم کو ہی بکھرنا تھا
دانہ دانہ
وادیٔ بے آب میں
اس خلائے بیکراں میں
ایک زمیں تھی
جو ہماری نہ رہی

■■

# عدسوں کی روشنی میں

زخم خوردہ بینائی
کیسے کیا دے گی
عدسوں کی روشنی میں
دُنیا دیکھو
ٹوٹا ہوا شیشہ
تمہارا مقدّر
مصلحتوں کی آگ میں جل گیا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

اُمید کے شجر
یادوں کی لَو سے مر گئے
خالی مکاں کی تلاش
رائگاں
ایک شخص
اپنے ہی سایہ کا حصار بنا
دیکھو
عدسوں کی روشنی میں

# انتظار

سورج کو پانے کے لیے
کھڑکی کھولی
رات بھر انتظار کیا

جب وہ نکلا
بادلوں کی بانہوں میں تھا

# بیتے موسم کی آواز

مجھ سے لوگ ہوے جاتے ہیں
اب بیزار
جب میں نے
پہلا قدم رکھا تھا
لوگوں نے استقبال کیا تھا
لیکن ۔ کب تک
اب خیال آتا ہے
اپنے گھر
واپس ہو جاؤں